۱۱) نفسیاتی تجربات و تحقیقاتی طریقے، سید ساجد حسین، ص 349-340، بار ششم، حکایت اکیڈمی، کراچی 1987

۱۲) مقالہ: دستاویزی طریق تحقیق، سید جمیل احمد رضوی، بحوالہ اردو میں اصول تحقیق، مرتبہ ڈاکٹر ایم سلطانہ بخش، جلد 1، ص 167-165

۱۳) ایضاً، ص 168 تا 170

۱۴) فیروز اللغات اردو جدید، بار ششم 1976، فیروز سنز لاہور

۱۵) فیروز اللغات اردو جدید، بار ششم 1976، فیروز سنز لاہور

۱۶) اصول تحقیق، برائے ایم فل اسلامیات، کوڈ نمبر 711، ڈاکٹر ایم سلطانہ بخش، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

۱۷) پروفیسر

۱۸) بعنوان "تحقیق میں حواشی، حوالہ جات اور اقتباسات" شامل کتاب "تحقیق اور اصول وضع اصطلاحات"، اعجاز راہی، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، جون 1986

۱۹) ایضاً، ص 144

۲۰) فیروز اللغات اردو جدید، بار ششم 1976، فیروز سنز لاہور

۲۱) اصول تحقیق، کوڈ نمبر 711، ص 116

۲۲) اردو میں اصول تحقیق، جلد 1، ص 260

وفیات

تمہاری نیکیاں زندہ، تمہاری خوبیاں باقی

مولانا حافظ محمود الحسن رحمۃ اللہ علیہ

ڈاکٹر محمد شکیل اوج

کراچی کے ممتاز عالم دین، بلند پایہ خطیب، بالخصوص قرآنی مضامین کے ماہر مولانا حافظ محمود الحسن اللہ کو پیارے ہو گئے۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون)

۳۰ اگست ۲۰۰۷ء بروز پیر آپ کا انتقال ہوا اور اگلے روز جامع مسجد رحمانیہ طارق روڈ کراچی سے متصل قبرستان میں تدفین ہوئی۔ بروز منگل ایک بجے حافظ کامران قریشی کے ذریعے مرحوم کے انتقال کی خبر ملی اور ساتھ ہی پتہ چلا کہ اب سے ٹھیک آدھے گھنٹے بعد یعنی بعد نماز ظہر، جامع مسجد رحمانیہ میں نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔ اطلاع ملتے ہی میں حافظ کامران کے ہمراہ مولانا شاہ حسین گردیزی کے پاس پہنچا۔ وہ پہلے سے ہمارے منتظر تھے اور دارالعلوم کے باہر ہی کھڑے تھے۔ یوں ہم تینوں افراد اکٹھے جنازہ میں شرکت کے لئے روانہ ہوئے۔ کراچی کی سڑکوں کا ان دنوں جو حال ہے اور ٹریفک رش کے باعث ٹرانسپورٹ کی جو چال ہے وہ کس سے پوشیدہ ہے؟ پھر ایسے میں ہماری گاڑی کیسے بروقت پہنچ سکتی تھی؟ چنانچہ جنازہ کی نماز تو نہ مل سکی، تاہم جنازہ کے بعد کی خصوصی دعا اور تدفین میں شریک ہو سکے۔ اس موقع پر مفتی محمد رفیق الحسنی، مفتی محمد جان نعیمی، پروفیسر ڈاکٹر مولانا غلام عباس قادری اور ڈاکٹر مولانا نور احمد شاہتاز کے علاوہ متعدد علماء اور مرحوم کے تلامذہ کے ساتھ عقیدت مندوں کی کثیر تعداد موجود تھی۔

مرحوم اولاد نرینہ سے محروم تھے تاہم شاگردوں کی ایک معتد بہ تعداد یعنی معنوی اولاد سے مالا مال تھے اور زندگی کے آخری ایام جن میں شدید بیمار ہوئے اور جس کے تسلسل میں وہ بالآخر اللہ کو پیارے ہوئے۔ ان آخری لمحوں میں وہی ان کے آس پاس تھے بالکل اولاد کی طرح، یہ وہ حقیقت ہے جو مجھے انتقال کے اگلے روز مرحوم کی اہلیہ نے خود فون پر بتائی۔

مرحوم کو میں طویل عرصے سے جانتا تھا۔ مولانا شاہ حسین گردیزی سے پہلی مرتبہ ان کا نام سنا اور کیا عجیب اتفاق ہے کہ ان کی آخری رسومات کے موقع پر میں گردیزی صاحب سے ہی ان کا ذکر واذکار سن رہا تھا۔ حافظ صاحب کو پہلی بار کسی ٹی وی چینل پر انجانی حیثیت سے سننے اور دیکھنے کا موقع ملا۔ جب

تک اسکرین پر ان کا نام نہیں آیا۔ میں سوچتا رہا کہ اتنے خوبصورت لب ولہجے میں خالص اردو بولنے والے، وجیہہ صورت بزرگ عالمِ دین کون ہوسکتے ہیں کہ جنہیں سننا بھی اچھا لگ رہا تھا اور دیکھنا بھی۔ مگر میرا یہ استعجاب بہت جلد ختم ہوگیا کیونکہ حافظ صاحب کا نام اسکرین پر آچکا تھا۔ یہ رمضان المبارک کے ایام تھے اور مرحوم کو ہر روز ایک سیپارہ پر کلام کرنا ہوتا تھا۔ میں کوشش کرتا کہ ہر روز ان کی گفتگو سنوں اور لذتِ قرآنی سے سرشار رہوں۔ قرآن ویسے بھی میرا پسندیدہ سبجیکٹ ہے۔ قرآنی حوالے سے جب بھی کوئی بات کرتا ہے تو دراصل وہ میری دلچسپی کا سامان کرتا ہے۔ قرآن سے اک گونہ بلکہ خصوصی تعلق کے باعث مجھے یہ فیصلہ کرنے میں دیر نہیں لگتی کہ بولنے والا قرآن جانتا بھی ہے یا بس یونہی بطور فیشن کے محوِ کلام ہے۔

پھر ایک دن مولانا محمد اعظم سعیدی کا فون آیا کہ حافظ صاحب کو میں نے آپ کا فون نمبر دے دیا ہے۔ وہ آپ سے بات کرنا چاہتے ہیں۔ پریشان مت ہونا وہ بات لمبی کرتے ہیں مگر کمال کی کرتے ہیں خاص بات یہ ہے کہ وہ اپنی ہر بات پر قرآن سے استدلال کرتے ہیں اور عام سی باتوں کو بھی ہم رنگِ قرآن کردیتے ہیں۔ پھر انہوں نے ازراہِ تفنن یہ بھی کہا کہ آپ بھی چونکہ قرآن قرآن کرتے رہتے ہیں اور وہ بھی یہی کرتے ہیں۔ سو میں نے سوچا کہ اب میں درمیان سے ہٹ جاؤں اور آپ دونوں کو آپس میں ٹکرادوں۔ پھر ایک دن فون کی گھنٹی بجی۔ ریسیور اٹھایا تو پتہ چلا کہ حافظ صاحب آن لائن ہیں اور اپنے مخصوص لب ولہجے سے کانوں میں رس گھول رہے ہیں۔ یہاں سے میرا پہلا مکالمہ تھا جو فون پر ہوا، اس کے بعد سلسلہ چل پڑا۔ البتہ حافظ صاحب سے بالمشافہ ملاقات کا شرف اس دن حاصل ہوا۔ جب قائدِ ملتِ اسلامیہ مولانا شاہ احمد نورانی رحمۃ اللہ علیہ کا چہلم تھا۔ تفصیل اجمال یہ ہے کہ پروگرام کے مطابق میں پہلے مولانا اعظم سعیدی کے گھر پہنچا۔ وہاں پہنچ کر پتہ چلا کہ مولانا عبدالکریم سیالوی کو ساتھ لینا ہے۔ جو راستے میں ہمارے منتظر ہیں اور مرحوم مولانا حافظ محمود الحسن کو بھی ان کے گھر سے لینا ہے۔ یوں مرحوم سے بالمشافہ پہلی ملاقات کی تقریب پیدا ہوئی اور ان کے گھر سے (واقع پی ای سی ایچ ایس) سے گلشن تک کا سفر ایک یادگار علمی سفر رہا، جو آج تک میرے حافظے میں ہے اور کبھی فراموش نہ ہوگا۔ ان کی خوشبوؤں میں بسی ہوئی باتوں کی مہک آج بھی تازہ ہے۔ اور ان کا پرنور چہرہ جسے دیکھنے کو آنکھیں ترستی ہیں۔ خیالوں میں رہتا ہے۔ تازہ گلاب کی مانند کھلا ہوا حسین چہرہ، جو تقویٰ وطہارت اور کریم النفسی کی شبنم سے دھلا ہوا تھا سرخی وسپیدی سے ممزوج یعنی گلابی رنگت، پھر اس پر طرزِ آواز کا جادو بھرا آہنگ، مخصوص طرزِ ادا پھر اس پر مستزاد خالص قرآنی مضامین سے مالا مال گفتگو، جس کے استشہاد میں قرآن بار بار سننے کو ملے۔ سچ تو یہ ہے کہ اس سج دھج کا انسان زندگی میں کم ہی دیکھنے کو ملا ہے۔

مرحوم کو میں مجلہ التفسیر بھیجا کرتا تھا۔ وہ اسے بہت پسند کرتے تھے۔ بالخصوص میرے مضامین، خصوصی توجہ سے دیکھا کرتے تھے۔ صرف مجلہ کے تعلق سے سہ ماہی کو ان کے دو فون اکثر آیا کرتے تھے۔ ایک فون مجلے کی رسید ہوتا اور دوسرا مجلے پر تبصرہ۔ وہ میری تحقیقات کو بے حد سراہتے اور اس کا برملا اظہار کرتے۔ مجھے مولانا سعیدی سے بھی پتہ چلتا رہتا تھا کہ قرآن کے حوالے سے وہ مجھے بہت پسند کرتے اور اپنی دعائے خصوصی میں یاد رکھتے ہیں۔ اور مستقبل میں مجھ جیسے کم علم اور کوتاہ فہم سے بہت سی امیدیں وابستہ کئے ہوئے ہیں۔

میں مرحوم سے جب بھی کہتا کہ آپ ہمارے مجلے کیلئے کچھ لکھئے تو فرماتے۔ میں لکھنے کا بہت چور ہوں۔ کاش مجھے بھی آپ کی طرح لکھنا آتا تو ضرور لکھتا۔ پھر فرماتے، مضمون تو نہیں البتہ التفسیر کے تعلق سے آپ کو ایک خط ضرور لکھوں گا اور پھر حسبِ وعدہ ایک دن ان کا وہ مکتوب موعود بھی موصول ہوگیا۔ لفافے میں خط کے اندر تین سو روپے بھی لپٹے ہوئے تھے۔ اور خط میں ایک طرف بطور نوٹ کے لکھا تھا "ایک جرأت بلکہ جسارت کررہا ہوں اور امید ہے کہ آپ پر بارِ خاطر نہ ہوگا اور محسوس نہیں فرمائیں گے"۔ میں نے اسی وقت حافظ صاحب کو فون کیا۔ پہلے تو ان کے گرامی نامے پر شکریہ پیش کیا۔ پھر تین سو روپے بھیجنے کا شکوہ کیا۔ میں نے کہا حضرت! پتہ نہیں، میں کس کس کو اپنا مجلہ اعزازی بھیجتا ہوں۔ پھر آپ تو ہمارے بزرگوں میں ہیں۔ ہمارے لئے یہ اعزاز کیا کم ہے کہ آپ ہمارا مجلہ پڑھتے اور اس پر تبصرہ فرماتے ہیں پھر آپ نے یہ کیا کردیا؟ مجھے کیوں شرمندہ کردیا؟ مگر مرحوم سے گفتگو میں بڑھ جانا بڑے بڑوں کے لئے مشکل ہوتا تھا۔ پھر میں کیسے بڑھ سکتا تھا۔ بالآخر وہ جیت گئے اور میں نے وہ نوٹ تبرک سمجھ کے رکھ لئے۔

اکثر عید اور بقرعید کے موقع پر میں اور مولانا اعظم سعیدی ان سے ملنے ان کے گھر جاتے۔ اور ان کا ہشاش بشاش چہرہ اور ان کی کشادہ باہوں کو دیکھا کرتے تھے۔ وہ بہت خوش خلق ملنسار اور مہمان نواز عالم تھے۔ ایسے علماء اب خال خال نظر آتے ہیں۔

میری خواہش تھی کہ وہ ایک دن میرے گھر ضرور تشریف لائیں، اور وہ خود بھی یہی چاہتے تھے مگر افسوس کہ خواہش باہم کے باوجود وہ ایسا نہ کرسکے۔ البتہ گاہے گاہے گھر آنے کی بات ضرور کرتے رہتے تھے اور ساتھ ہی نہ آسکنے کا عذر معقول بھی سنادیا کرتے تھے یعنی کچھ تو ضعفِ پیری اور کچھ بیماری۔ غرض دونوں پر ہی الزام دھر دیا کرتے تھے۔ پھر مرزا غالب کی روح سے معذرت کے ساتھ یہ شعر پڑھتے۔

ضعف نے غالب نکما کر دیا
ورنہ ہم بھی آدمی تھے کام کے

میرا اندازہ ہے کہ وہ ستر سال سے کچھ اوپر تھے، مگر جیسے بشرے، چہرے مہرے اور آواز و لہجے سے بالکل ترو تازہ اور شاداب نظر آتے تھے۔ قرآن مجید کے اچھے پکے حافظ تھے کہ اپنے بچپن سے انتقال تک شاید ہی کوئی مصلیٰ چھوڑا ہو۔ شعبان المعظم میں ان کا انتقال ہوا۔ یوں پچھلا رمضان ان کی زندگی کا آخری رمضان ثابت ہوا۔ رحمانیہ مسجد (طارق روڈ) میں کئی سال امام و خطیب رہے اور دلوں پر حکمرانی کرتے رہے۔ وہ درویش صفت، منکسر المزاج اور سادہ طبیعت انسان تھے، وہ زندگی میں بڑے بڑوں سے متاثر نہ ہوئے اور نہ کسی کو خاطر میں لائے۔ بڑے بڑے سرمایہ داران کے حلقہ ارادت میں آئے مگر وہ خود کسی کے رعب میں نہ آئے۔ کیونکہ انہوں نے کبھی کسی سے کوئی طمع نہ رکھی، البتہ دوسروں کیلئے کچھ کہنے میں کبھی عار بھی محسوس نہ کی۔ ان کی سفارش پر بہت سوں کے کام ہوئے جن کی الگ تفصیل ہے۔

مرحوم قرآن کریم کے بہت بڑے عالم تھے۔ مگر خود کو طالب قرآن کہتے تھے۔ اپنا تعارف بھی وہ اسی انداز سے کراتے تھے۔ قرآن کے آگے ہمیشہ سرنگوں رہے۔ بعض مسائل پر میرا ان سے اختلاف بھی ہوا۔ میرا قرآنی استدلال جب بھی ان کے مقابلے میں زیادہ مضبوط ہوا، بغیر کسی تامل کے وہ میرے ہمنوا ہو گئے۔ قرآن کے آگے سر جھکانے کی یہ اسپرٹ اب کہاں دیکھنے کو ملتی ہے؟ حافظ صاحب مرحوم دنیائے فانی سے رخصت ہو گئے اور پس ماندگان میں اپنی محبوب اہلیہ اور اکلوتی بیٹی آنسہ ہاجرہ کے علاوہ مجھ سمیت سینکڑوں عقیدت مندوں کو سوگوار چھوڑ گئے۔

تمہاری نیکیاں زندہ تمہاری خوبیاں باقی

ذیل میں راقم الحروف کے نام حافظ محمود الحسن کا مکتوب گرامی پیش کیا جا رہا ہے۔

پیکرِ علم و دانش۔ سراپا فکر و تحقیق۔ محبی و محسنی۔ مکرمی و محترمی

جناب ڈاکٹر حافظ محمد شکیل صاحب اوج مدظلہ العالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ مزاج گرامی

امید واثق کہ آپ مع فرزندان سعید اور اہل خانہ کے بخیر و عافیت ہوں گے۔ آمین

گذشتہ باسی بلکہ پرانی عید سعید مبارک ہو۔ آپ سوچتے ہوں گے کہ یہ عجیب و غریب آدمی

ہے کہ اتنی پرانی عید کی مبارکباد ارسال کر رہا ہے۔

تو صاحب! بات یہ ہے کہ ۲۰ ماہ رمضان المبارک کے بعد سے ہم مع اہل خانہ راقم الوقت بیماری سے صاحب فراش رہے۔ اتنا ہوا ہے کہ علاج معالجہ سے اب جا کر کچھ فرق پڑا ہے۔ اللہ رب العالمین سے دست بہ دعا ہوں کہ وہ ذات باری آپ سب کو اور ہمیں ہر قسم کی بیماریوں سے اپنے حفظ و امان میں رکھے۔ آمین

مزید عرض ہے کہ مجلہ التفسیر کا چوتھا شمارہ مجھے ابھی تک موصول نہیں ہوا۔

ایک جرأت بلکہ جسارت کر رہا ہوں اور امید ہے کہ آپ پر بار خاطر نہ ہوگا اور محسوس بھی نہیں فرمائیں گے۔ وہ یہ کہ مبلغ 300.00 تین سو روپیہ ارسال خدمت کر رہا ہوں۔ یہ رقم مجلہ التفسیر کیلئے زر تعاون ہے۔ مبلغ ایک سو روپیہ زر تعاون 2005ء کا ہے۔ سال گذشتہ کا۔ دوسرا سو روپیہ زر تعاون برائے سال 2006ء کیلئے ہے۔ تیسرا سو روپیہ سال آئندہ 2007ء کیلئے ہے۔ وصول فرما کر ممنون و مشکور فرمائیں۔

کیونکہ یہ معاملات دنیا ہیں۔ قصہ زمین برسر زمین۔ آج کوئی بھی چیز یوں ہی ہاتھ نہیں آتی۔ اس پر فتن اور پر آشوب بلکہ قیامت خیز دور میں ایک علمی مجلہ کا چلانا کوئی معمولی کام نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ہمت و توفیق اور استطاعت عطا فرمائے اور آپ کی ذات سے تشنگان علم کو فرحت و انبساط عطا فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین (ﷺ)

میری طرف سے میرے محترم صاحب علم و فضل۔ سراپا علم و تحقیق حضرت علامہ محمد اعظم صاحب سعیدی کو سلام پیش کر دیجئے گا۔ فرزندان ارجمند کیلئے بہت ساری دعائیں۔ بھابھی صاحبہ کو عید مبارک اور سلام قبول ہو۔ مزید کار لائقہ سے یاد فرمادیں۔ شکریہ۔ اللہ حافظ و ناصر ہو۔

پتہ: فلیٹ ۳۰۲، دوسری منزل، 109-K/2
پی ای سی ایچ ایس۔ کراچی 75400

فقط والسلام، نیاز مند
حافظ محمود الحسن
8 نومبر 2006

غواص القرآن حافظ محمود الحسن رحمۃ اللہ علیہ

محمد اعظم سعیدی

کل شیء یرجع الی اصلہ۔ عالم بقاء سے عالم فنا میں آئے اور پھر عالم بقا کو لوٹ گئے، آہ، ترجمان القرآن حضرت حافظ محمود الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہمیں عالم دنیا میں تنہا کر گئے۔ ان کے انتقال سے قرآن فہمی کا ایک باب بند ہو گیا، قرآن کی روشنی سے قلب و دماغ کو مستنیر کرنے والا ایک درخشاں ستارہ غروب ہو گیا، قرآن کا درک رکھنے والی کہکشاں کا ایک اور ستارہ ڈوب گیا، خدا اس پاک طینت و پاک سرشت پر اپنی رحمتوں کا سایہ فرمائے (آمین)

حافظ صاحب مرحوم کا علم بڑا مستند تھا اور کثرت مطالعہ سے شستہ ور بھی۔ اگرچہ کتب احادیث و فقہ پر انہیں عبور تھا۔ مگر قرآن کو صرف قرآن سے ہی سمجھنا انہیں منظور تھا۔ قرآن سے قلبی لگاؤ اور گہری محبت کا یہ عالم تھا کہ کم و بیش ۶۰ سال (گذشتہ رمضان) تک تراویح میں قرآن سنایا۔ یعنی پیرانہ سالی اور مختلف امراض کی حملہ آوری انہیں قرآن مجید پڑھنے، رکھنے، سمجھانے اور سنانے سے باز نہ رکھ سکی۔ حتی کہ ایام مرض میں بھی تلامذہ کو تفسیر پڑھاتے رہے۔ ان کی درس گاہ ان کے فلیٹ کا ایک کمرہ تھا۔ کہا جا سکتا ہے کہ یہ واحد درسگاہ تھی جو چندے اور فیس سے مبرا تھی۔ دوسرا کمرہ نادر و نایاب کتب سے معمور مطالعہ گاہ تھا۔ جبکہ ایک کمرہ ہونہار صاحبزادی اور سلیقہ شعار بیوی کیلئے وقف تھا۔ یہ ہے کل کائنات اس عالم قرآن کی جو ہزاروں دلوں میں بستا ہے۔ اگرچہ غائبانہ طور پر ہم ایک دوسرے کے بہت پہلے سے شناسا تھے۔ مگر ان سے بالمشافہ پہلی ملاقات ۱۹۸۶ء میں پیر مہر علی شاہ گولڑوی پر منعقدہ ایک سیمینار میں ہوئی تھی۔ یہ ملاقات اگرچہ مختلف نظریات کے ٹکراؤ کے باعث یادگار بن گئی۔ مگر دوران بحث حافظ صاحب مرحوم کے بکثرت قرآنی آیات کو بطور دلیل تلاوت کرنے پر ان کی قرآن سے گہری رغبت کا رعب میرے دل میں ضرور سما گیا۔ پھر گاہے گاہے مختلف محافل و سیمینارز میں ملاقاتوں کے تسلسل سے ان کی علمی وسعتیں مجھ پر آشکار ہوتی رہیں۔ اور یوں ذہنی و قلبی قربتیں بھی بڑھتی رہیں۔ غرض کہ ان کی طرف سے بے پناہ محبت کے اظہار اور میری جانب سے عقیدت کے اقرار نے ہمیں یک جان دو قالب کر دیا (من تو شدم تو من شدی)

حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی رواداری کا ایک واقعہ اس طرح ہے کہ مصر کے مفتی امام خرپوتی

نے بارہویں صدی ہجری میں قصیدہ بردہ کی علم منطق، کلام، معانی، بدیع، جغرافیہ اور تاریخ کے حوالے سے بڑی مبسوط و ضخیم شرح عصیدۃ الشہدہ کے نام سے لکھی تھی۔ اس پر چار دیگر علماء کے حواشی بھی تھے۔ حضرت حافظ صاحب اس کا قلمی نسخہ مصر سے لائے تھے اور اس کا اردو میں ترجمہ کرانے کی تمنا رکھتے تھے۔ چونکہ پیرانہ سالی کے باعث خود لکھنے سے عاجز تھے، اس لئے مختلف علماء سے معقول معاوضہ پر ترجمہ کر دینے کی استدعا کی مگر کئی سال تک مختلف ہاتھوں سے ہو کر وہ کتاب من و عن ان کے پاس آ گئی۔ ۱۸ نومبر ۲۰۰۰ء کو رمضان کے مہینے میں مولانا انور احمد شہباز عصیدۃ الشہدہ شرح قصیدہ بردہ لیکر میرے پاس آئے اور کہا کہ اسکے پہلے دو صفحات کا ترجمہ کر دیں۔ کل آ کر لے جاؤں گا۔ دوسرے دن میں ترجمہ کر کے انہیں دے دیا۔ پھر ایک ہفتہ بعد شہباز صاحب نے ہی آ کر بتایا کہ اس کتاب کا ترجمہ کر دیں اور یہ کتاب حافظ محمود الحسن صاحب کی ہے۔ یہ بھی بتا دیں کہ محنتانہ کیا لیں گے۔ یہ سن کر میں سوچ میں پڑ گیا کہ حافظ صاحب نے مجھ سے خود کیوں نہیں فرمایا، اس واسطہ کی کیا ضرورت تھی؟ پھر سوچا کہ جو شخص لحاظ داری، رواداری، بلنساری، وفاداری، عاجزی و انکساری جیسی صفات کا مجسم پیکر ہو، وہ اپنے عقیدت مند سے محنتانے کی بات کیسے کر سکتا ہے۔ بہر حال میں نے اس ضخیم شرح کا ترجمہ کر دیا۔ پھر وہ ترجمہ تین سال پہلے محمد ریاض گوہر والا بغرض اشاعت لے گئے تھے۔ جسے تا حال وہ نہیں چھاپ سکے، اب انشاء اللہ حافظ صاحب مرحوم کی پہلی برسی پر وہ ترجمہ شائع کر دیا جائیگا۔ عصیدۃ الشہدہ وہ شرح ہے جس نے ہماری ملاقاتوں میں اضافہ کر دیا۔ حافظ صاحب علیہ الرحمۃ کے روزانہ کے معمولات میں یہ تھا کہ آپ بعد نماز ظہر قیلولہ فرماتے۔ پھر علماء اور آئمہ و خطباء کو تفسیر قرآن پڑھاتے۔ عصر سے مغرب تک اپنے والد مرحوم کی قبر پر بلاناغہ قرآن کی تلاوت کرتے۔ میں ہر دوسرے، تیسرے دن حاضر ہوتا تو زیر درس آیت کے حوالے سے مجھ سے مخاطب ہو جاتے اور اس کی توضیح و تشریح میں دیگر آیات سے استدلال فرماتے۔ مفسرین و مؤرخین کی تحریر کردہ اسرائیلی روایات کو در خور اعتناء نہ سمجھتے تھے۔ وہ اس یقین کے مالک تھے کہ قرآن خود ہی متن ہے اور خود ہی مفسر ہے۔ دو سال پہلے مغفرت ذنب کے مسئلہ پر حافظ صاحب نے ذنب، اثم، حوب، خطاء، جناح اور معصیت جیسے لفظوں کی ادب و لغت، صرف و نحو، معانی و لسانی اور اقوال مفسرین و فقہاء سے صرف نظر کرتے ہوئے صرف قرآن سے مدد لے کر خوب تحقیق فرمائی تھی اور وہ تحقیق تین آڈیو کیسٹ میں ریکارڈ ہے جو ان کے ایک شاگرد عزیز کے پاس محفوظ ہے۔

ایک دفعہ آئمہ و خطباء کی کلاس کو سورہ بقرہ کی آیات ۳۳ تا ۳۶ کا درس دے رہے تھے۔ اس وقت مسودہ لے کر میں بھی حاضر ہو گیا۔ حسب روایت مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا، کیا ابلیس فرشتوں میں